اقوال زرّیں

- غیرت کو غصہ پر ترجیح ہے، اگر تمہیں برے کاموں کے لیے ملامت کی جائے تو غصہ مت کرو، بلکہ غیرت سے کام لے کر اس کو ترک کرنے کی کوشش کرو۔
- مطالعہ اس طرح کرو کہ ہر لفظ کے معنی اور ہر فقرہ کا مطلب مع کل عبارت کے سمجھتے جاؤ تاکہ یاد رکھ سکو۔

روزنامہ راشٹریہ سہارا
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA NEW DELHI

جسٹس وشوانا تھن کی تشویش

اظہار رائے

کی آزادی جمہوریت کا ایک اہم پہلو ہے اور اسے بنیادی حق کا درجہ حاصل ہے۔ فی زمانہ انفارمیشن ٹیکنالوجی پر مبنی انٹرنیٹ کے ذریعہ چلائی جانے والی سوشل نیٹ ورکنگ سائٹس نے اظہار رائے کے بے پناہ مواقع اور سہولتیں دستیاب کرا رکھی ہیں۔ ان سہولتوں کی وجہ سے اظہار رائے کی آزادی کے نام پر حق اور سچ کی ترویج و اشاعت کے ساتھ جھوٹ، افترا پردازی، گمراہی، افواہ اور غلط معلومات بھی پھیلائی جارہی ہیں۔ جھوٹی خبروں اور پروپیگنڈے کا مسلسل پھیلاؤ ملک کیلئے ایک سنگین سماجی چیلنج بن گیا ہے اور اس کی وجہ سے سڑکوں پر ہنگامے اور ماب لنچنگ کے واقعات اکثر دیکھنے میں آتے ہیں۔ اظہار رائے کی آزادی کے نام پر جعلی خبروں اور نفرت انگیز تقریروں کے ساتھ سائبر کرائم جیسے ہیکنگ اور فشنگ میں بھی اضافہ ہوگیا۔ غلط معلومات کی وجہ سے انسان کی اخلاقیات اور اذتیات تباہی کے دہانے پر تو پہنچ ہی گئی ہیں، اب اجتماعی زندگی اور قانون کی نگہرانی کیلئے بھی چیلنج بن رہی ہے۔ یہ کہ غلط معلومات کو مکمل منصوبہ بندی کے بعد منظم طریقے سے پھیلایا جاتا ہے اور لوگ پلرائز ہوجاتے ہیں اور اس کی بنیاد پر رائے قائم کرتے ہوئے فیصلے کیے جارہے ہیں۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اس سوئے استعمال پر سپریم کورٹ کے جج جسٹس کے وی وشوانا تھن نے سخت تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ غلط معلومات نے لوگوں کو پلرائز کیا ہے اور معاشرے میں ایک خاص قسم کی رائے ابھارنے کا سبب بن رہی ہیں۔ جسٹس کے وی وشوانا تھن کے مطابق فی زمانہ غلط معلومات سب سے سنگین خطرہ کے طور پر ابھری ہیں اور قانون کی حکمرانی کو سنگین طور پر متاثر کرتے ہوئے یہ ریاست اور اس کے قانونی نظام کو الجھا سکتی ہیں۔

کیرالہ ہائی کورٹ میں منعقد جسٹس ٹی ایس کرشنا مورتی ایر یادگاری خطبہ میں جسٹس وشوانا تھن نے کہا کہ ہم ڈیجیٹل دور کے ایک نازک موڑ پر کھڑے ہیں جہاں معلومات کا دھماکہ ہے۔ فیس بک، واٹس ایپ اور یوٹیوب جیسے معلومات کے غیر روایتی ذرائع معلومات کو بہت تیز رفتاری سے پھیلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور معلومات کی اس فراوانی کی وجہ سے ریاست اور قانونی نظام خود کو مخمصے کا شکار پارہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سے دیگر معاملات کے علاوہ قانون کی حکمرانی پر بھی شدید اثر پڑ سکتا ہے۔ انہوں نے غلط معلومات کی بنیاد پر بننے والی رائے اور اس کی بنیاد پر کیے گئے فیصلوں کے سلسلے میں متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ اسے ایک سنگین مسئلہ کے طور پر دیکھ رہے ہیں۔ لوگ اب یہ پیشین لگا پارہے ہیں کہ خبریں کہاں سے آرہی ہیں اور انہیں حقیقت اور افسانے میں فرق کرنے میں دشواری کا سامنا ہے۔ چند برسوں بعد جب ہمیں یہ احساس ہوگا کہ ہمارے فیصلوں کی بنیاد غلط معلومات تھیں تو ہم سب کیلئے اس پر یقین کرنا مشکل ہوجائے گا اور معاشرے میں بے اعتمادی کا ماحول پیدا ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے اسے روکنے کی ضرورت پر زور دیا۔

غلط معلومات اور افواہوں سے ہورہے پولرائزیشن کے نتیجے میں بڑھ رہی فرقہ واریت اور انسانیت دشمنی کے اس دور میں جسٹس وشوانا تھن کا اسے روکنے کی ضرورت پر زور دینا حکومت کے سامنے ایک ایسا بھاری پتھر لا رکھنا ہے جسے وہ اٹھانے کے بجائے چوم کر چھوڑ دینے کی عادی رہی ہے۔ سوشل میڈیا ضابطۂ اخلاق کی جب بھی بات کی گئی تو حکومت نے سارا نزلہ اپنے مخالفین پر ہی نکالا، ان کے اکاؤنٹس بند کیے، گرفتاریاں اور جیل بھیجا۔ پالیسی ساز اداروں کی اس تجویز کو بھی کرشیریوں میں ڈیجیٹل میڈیا خواندگی مہم اور اسکولی نصاب میں شمولیت کو اس نے درخور اعتنا نہیں جانا۔ عوام کے دباؤ اور سول سوسائٹی کی جانب سے بار بار زور دیے جانے کی وجہ سے اس نے بھلے ہی سوشل میڈیا کے سلسلے میں قانون سازی کا عندیہ دے رکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حکومت کا منشا اس بے لگام طوفان کو یوں ہی جاری رکھنا ہے۔ کیوں کہ غلط معلومات، جھوٹی خبروں اور افواہوں کے زور پر ہی حکومت کا کاروبار چل رہا ہے۔ یہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے کہ حالیہ 2024 کے عام انتخابات میں غلط معلومات، افواہوں اور جھوٹی خبروں نے مگھراں جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی کی جیت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ 90 سے زائد سیٹوں پر بی جے پی کی کامیابی سوشل میڈیا کے ذریعہ پھیلائے جانے والے جھوٹ اور غلط معلومات کی ہی رہین منت رہی ہے۔ اس سے قبل بھی 2019 میں بی جے پی کی کامیابی میں اس سوشل میڈیا، جھوٹی خبروں، افواہوں اور غلط معلومات کا بھاری حصہ رہا تھا۔

جسٹس وشوانا تھن نے مسئلہ کے جن پہلوؤں کی نشاندہی کی، وہ بجا طور پر سنگین ہیں اور اپنے غلط استعمال کی وجہ سے سوشل میڈیا ایک ایسا ہتھیار بن چکا ہے جو قانون کی حکمرانی کیلئے چیلنج ثابت ہے، اگر اس پر قابو نہیں پایا گیا تو یہ ملک کی سالمیت اور اسٹیٹ کم جزیں بھی کاٹ ڈالے گا۔ ضرورت ہے کہ حکومت لوگوں کے اظہار رائے اور پرائیویسی کے تحت کی خلاف ورزی کے بغیر سوشل میڈیا کے غلط استعمال کو روکنے کیلئے تمام فریقین کی مشاورت سے نئے آپشنز تلاش کرے۔

edit2sahara@gmail.com

محمد حنیف خان

جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

مرکز میں نئی حکومت سازی کا عمل مکمل ہوچکا ہے۔ جس گروہ آبادی والی سب سے بڑی اقلیت کا ایک بھی نمائندہ حکومت میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ مرکز میں موجودہ حکومت سے اس طرح کی امید بھی تھی، اس لیے یہ حیرت انگیز بالکل نہیں ہے۔ وزیر اعظم نریندر مودی جس طرح سے اپنی ریلیوں میں خطاب کر رہے تھے وہ سب ریکارڈ میں ہے، اس سے قبل ان کی حکومت نے گزشتہ دس برسوں میں ملک کی سب سے بڑی اقلیت کے ساتھ جس طرح کا رویہ اختیار کیا، وہ بھی سب کے سامنے ہے، ایسے میں حکومت میں نمائندگی نہ دینا کوئی ایسا عمل نہیں ہے جس پر بحث و مباحثے کی ضرورت ہو۔ البتہ یہ سوال ضرور کیا جارہا ہے کہ اس انتخاب سے ہندوستانی مسلمانوں کو کیا ملا؟ انتخاب سے قبل ان کی نفسیات کیا تھی؟ انتخاب کے بعد ان کی نفسیات میں کس طرح کی تبدیلی آئی؟

ان سوالوں کا ایک جملے میں یوں جواب دیا جاسکتا ہے کہ مرکز میں این ڈی اے کی حکومت ضرور بن گئی ہے مگر مسلمانوں کا خوف چلا گیا ہو، اس عمل کی تفصیل خاصی طویل ہے۔ برطانوی اخبار ڈی گارجین دنیا کے صحافت میں اپنا ایک مقام رکھتا ہے، اس انتخاب کے ختم ہونے سے قبل 30 مئی 2024 کو اپنا اداریہ بعنوان "Narendra Modi's audacity of hate" (نریندر مودی کی نفرت انگیزی) لکھا تھا۔ اس کا اداریہ انتخاب کے دوران ریلیوں میں کی گئی وزیر اعظم کی تقریر اور دیے گئے انٹرویوز کے تناظر میں تھا۔ جب کوئی سنگل کسی اخبار کے اداریے کا موضوع بن جاتے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ مسئلہ بہت اہم ہے کیونکہ اداریوں میں ایسے ہی مسائل کو موضوع بنایا جاتا ہے جو معاشرے پر بہت زیادہ اثر انداز ہونے والے ہوں۔ اداریے میں لکھا گیا تھا: India's prime minister encourages a belief in his Divinity ,leading flowers to think it is gods purpose to spread fear and loathing یعنی "ہندوستان کے وزیر اعظم اپنی الوہی طاقت ہونے میں یقین کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اپنے حامیوں کو یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ خوف و نفرت پھیلانا خدا کا مقصد ہے۔" لیکن الیکشن کے بعد کیا ہوا؟ اس کے بالکل برعکس۔ اس الیکشن اور اس کے نتائج نے یہ ثابت کر دیا کہ خوف اور نفرت کے لیے محبت کی اس سرزمین پر کوئی جگہ نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی نظم بچوں کا قومی گیت میں کہا تھا:

رفعت سے جس زمیں کی بام فلک کا زینا
جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

جنت والی فضا کو الیکشن کے دوران سموم کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ نئی کابینہ میں نہ ہندوستانی الیکشن کے دل تک میں درج اصول و ضوابط سے اپنے اس اداریے کا آغاز کیا تھا اور لکھا تھا کہ کوئی بھی پارٹی یا امیدوار کسی ایسی سرگرمی میں شامل نہیں ہوگا جو اختلافات کو فروغ دے یا باہمی منافرت کو بڑھائے یا مختلف ذاتوں اور برادریوں کے درمیان مذہبی یا سالمی کشیدگی کا باعث بنے۔ اس کے بعد وزیر اعظم کے حوالے سے استفہامیہ انداز میں لکھا: "Has anyone told Narendra Modi ?Indias Prime Minister has resorted to overtly islamophobic language during the two month campaign, painting ideas 200 million muslims as an existential threat to hindu majority" یعنی "کیا کسی نے نریندر مودی کو یہ بتایا ہے؟ ہندوستان کے وزیر اعظم نے دو ماہ کی مہم کے دوران کھلے عام اسلام فوبک زبان کا استعمال کیا جس نے ہندوستان کے 200 ملین ہندوؤں کو ہندوؤں کی اکثریت کے وجود کے لیے خطرہ قرار دیا۔" اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وزیر اعظم نریندر مودی نے اپنی ریلیوں کے دوران کس طرح سے زبان کا استعمال کیا اور ان کے مقاصد کیسے تھے مگر

وزیر اعظم اور ان کی پارٹی سے متعلق موہن بھاگوت کی گفتگو ان کا اندرونی معاملہ ہوسکتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس الیکشن نے یہ ثابت کردیا ہے کہ یہاں کی مٹی میں نفرت کے بیج نہیں اگائے جاسکتے ہیں۔

ہر انگلیوں کے بعد بی جے پی کے ووٹ میں اضافہ ہوہا تھا جس سے مسلمانوں کے ساتھ ہی یہاں کا انصاف پسند طبقہ بھی سہم گیا تھا۔ دوسری جانب بی جے پی اور اس کے حامیوں کی نفسیات تفوق کا شکار ہوکر اس نے یہاں لیا تھا کہ بی جے پی کو نہیں ہرایا جاسکتا ہے مگر اس الیکشن نے آمریت اور فاشزم کے پر کترد یے ہیں۔

حکومت سازی کے بعد اگرچہ مسلمانوں کو حکومت میں شامل نہیں کیا گیا لیکن جس طرح کی بیساکھی کے سہارے حکومت سازی کی گئی ہے اور جس سیاست دانوں کے تعاون سے بی جے پی دوبارہ اقتدار میں آئی ہے، اس نے مسلمانوں کے ساتھ ہی انصاف پسند لوگوں کو راحت کی سانس دی ہے۔ چندرا بابو نائیڈو اور بی جے پی کے میڈیو شیوکا اگر تقابلی مطالعہ کرلیا جائے یا دونوں کی فکر کو مرکز بنا کر جائزہ لے لیا جائے تو عہد اشرفین نظر آئے گا۔ ایک نے جہاں وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں کی بھلائی کے لیے کام کرے گا۔ ہر شہر میں عیدگاہ اور قبرستان کے لیے زمینیں مختص کی جائیں گی، اماموں اور مؤذنوں کو سرکاری تنخواہیں دی جائیں گی اور مساجد کو سالانہ بنیاد پر امداد فی رقم فراہم کی جائے گی، وہیں دوسرا الیکشن ہی یہ کہتا پھر رہا تھا کہ اپوزیشن والے اکثریتی طبقے کی خواتین کے زیورات چھین کر مسلمانوں میں تقسیم کردیں گے۔ اس بعد الشرفین کے باوجود دونوں ایک ہی نظریہ کے ہیں۔ اسی طرح اگر نتیش کمار کی فکر اور ان کے ماضی کا جائزہ لیا جائے تو ان کی سیاست بھی فاشزم سے دور رہی ہے اگر یہ حکومت میں رہنے کے لیے وہ مذاکرات کر رہے ہیں تو یہ ان کے ساتھ آتے رہے ہیں مگر اپنے قدم پیچھے کھینچنے یا آگے بڑھ جانے میں انہوں نے کبھی بھی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا ہے۔ ایسے میں ان دونوں سیاسیوں کے سہارے حکومت کتنے دن چلے گی یا پھر وزیر اعظم نریندر مودی پہلے کی طرح فیصلے کرپائیں گے یا نہیں؟ کشش و پیچ کی یہی کیفیت دراصل وزیر اعظم نریندر مودی کی مجبوری ہے۔

مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو اس الیکشن نے بی جے پی کے غرور کو خاک میں ملا دیا ہے، جس کی جانب خود آر ایس ایس کے چیف موہن بھاگوت نے بھی گزشتہ دنوں اشارہ کیا۔ وزیر اعظم اور ان کی پارٹی سے متعلق موہن بھاگوت کی گفتگو ان کا اندرونی معاملہ ہوسکتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس الیکشن نے یہ ثابت کردیا ہے کہ یہاں کی مٹی میں نفرت کے بیج نہیں اگائے جاسکتے ہیں۔ یہ محبت کی سرزمین تھی اور محبت کی ہی سرزمین رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت میں عدم شمولیت کے باوجود ملک کی سب سے بڑی اقلیت اور انصاف پسند اکثریت عوام کے فیصلے سے خوش ہیں اور دنیا میں بھی ہندوستانی وہ ڈوں کی تعریف ہو رہی ہے کہ انہوں نے فاشزم کو بیک فٹ پر پہنچنے پر مجبور کردیا۔

haneef5758@gmail.com

ڈاکٹر جاوید عالم خان

مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کیلئے کوششیں

1947 میں جب ملک آزاد ہوا، اس وقت ملک میں خواندگی کی مجموعی شرح صرف 18 فیصد تھی جو 2011 میں اضافہ کے ساتھ 74 فیصد کے آس پاس تھی، اس میں خواتین اور مردوں کی شرح بالترتیب 82 اور 65 فیصد تھی جبکہ مسلمانوں میں یہ شرح 68 فیصد تھی، وہیں عیسائیوں میں 85 فیصد تھی۔ مسلمانوں میں شرح خواندگی دلت اور قبائلیوں کے مقابلے کم ہے۔ آزادی کے بعد سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کی کوششوں کی وجہ سے شرح خواندگی میں اضافہ ہوا ہے لیکن مختلف طبقات کے درمیان ابھی بھی عدم مساوات موجود ہے، پسماندہ طبقات جیسے دلت اور قبائلیوں کے لیے مرکزی حکومت نے تعلیمی اداروں میں داخلے کے لیے ریزرویشن کی پالیسی کو نافذ کیا جبکہ اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے لیے (سوائے چند ریاستوں کے) اس طرح کی کوئی ریزرویشن پالیسی تعلیمی اداروں میں داخلے کے لیے نہیں بنائی گئی ہے البتہ آئین کے آرٹیکل 29 اور 30 کے ذریعہ اقلیتوں کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے لیے تعلیمی اور ثقافتی اداروں کا قیام کریں اور ان اداروں کو چلانے کے لیے ہر طرح سے آزادی دی گئی۔ 2005 میں نیشنل کمیشن فار مائناریٹی ایجوکیشن انسٹیٹیوٹ (NCMEI) کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد اقلیتوں کے ذریعہ قائم کیے گئے تعلیمی اداروں کو اقلیتی حیثیت دینا تھا۔ اس ادارے نے بڑے پیمانے پر اقلیتی اداروں کو تسلیم کیا اور ان کو قانونی حیثیت دی جس سے یہ اقلیتی اداروں کے ذریعہ تعلیم سے متعلق چلائی جارہی تمام اسکیموں کا فائدہ اٹھا سکیں۔

تعلیمی نظام کو مضبوط کرنے کے لیے مرکزی حکومت نے چار قومی تعلیمی پالیسی کا اعلان کیا۔ پہلی قومی تعلیمی پالیسی کا نفاذ 1968 میں کیا گیا اور بعد میں 1986 اور 1992 میں بھی قومی تعلیمی پالیسی کو نافذ کرنے کی کوشش کی۔ 2020 میں ایک اور قومی تعلیمی پالیسی کا اعلان کیا گیا۔ تمام قومی تعلیمی پالیسیوں میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دیہی علاقوں میں رہنے والے پسماندہ دلت، قبائلی بچوں اور بچیوں پر خاص توجہ دی جائے گی، اس کے علاوہ اقلیتوں کو بھی تعلیم کے مساوی مواقع فراہم کیے جائیں گے مزید یہ کہ معذوروں کے لیے بھی تعلیم سے متعلق ساری سہولتوں کی فراہمی کو بہتر بنایا جائے گا۔

آئین کے مطابق مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم کے لیے تین طرح کی فہرست وضع کی گئی تھیں جن کو مرکزی، صوبائی اور متفقہ فہرست (Concurrent List) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ تعلیم کو صوبائی فہرست میں رکھا گیا تھا لیکن 1967 میں آئین میں 42 ویں ترمیم کے ذریعہ تعلیم کو متفقہ فہرست کا حصہ بنایا گیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ تعلیم کو فروغ دینے کے لیے مرکزی اور صوبائی حکومتیں مشترکہ طور پر کام کریں گی لیکن تجربہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ تعلیم کو فروغ دینے کے لیے زیادہ تر ذمہ داریاں صوبائی حکومتوں کے پاس ہیں۔ 1968 میں کوٹھاری کمیشن نے یہ سفارش کی تھی کہ تعلیم پر ملک کے جی ڈی پی کی شرح میں 6 فیصد خرچ کیا جائے گا۔ نئی تعلیمی پالیسی 2020 نے بھی اس بات پر زور دیا ہے۔ سال 23-2020 کے اعداد و شمار سے یہ پتا چلتا ہے کہ تمام صوبائی حکومتیں تعلیم پر اپنے جی ایس ڈی پی کی 2.7 فیصد خرچ کر رہی ہیں، وہیں مرکزی حکومت جی ڈی پی کی شرح میں 37 فیصد خرچ کر رہی ہے۔

تعلیم کے میدان میں مرکزی حکومت نے کئی ساری اسکیموں کی شروعات کی، ان میں ضلع پرائمری ایجوکیشن پروگرام اہم پروگراموں میں سے ایک تھا، بعد میں مرکزی حکومت نے اسی طرز پر سروشکشا ابھیان کا اعلان کیا جس کا مقصد بنیادی تعلیم کو ہمہ گیر بنانا تھا۔ اس کے علاوہ اہم پروگراموں میں کستوربا گاندھی بالیکا ودیالیہ، مڈیل پروگرام فار ایکسیلینس آف گرلس ایٹ ایلیمنٹری لیول (این پی جی ای ایل)، ٹرائبل میڈیم اسکیم، میولا سکھیا، راشٹریہ مادھیمک شکشا ابھیان، ماڈل اسکول اسکالرشپ اور گرلس ہاسٹل بھی شامل ہیں۔ اس وقت مرکزی حکومت سمگر شکشا ابھیان کی اسکیم چلا رہی ہے جو نیونیسٹری تک کی تعلیم کا احاطہ کرتی ہے۔ لیکن یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ 2009 میں حکومت نے تعلیم کی سپلائی کو بہتر بنانے اور اس کو عام کرنے کے لیے پارلیمنٹ کے ذریعہ ایک قانون بنایا جس کا نام مفت اور لازمی تعلیم کا قانون (The Right of Children to Free and Compulsory Education (Act, 2009 (RTE)ہے، اس کے تحت 6 سے 14 سال کے بچوں کے لیے مفت اور لازمی تعلیم فراہم کی جارہی ہے۔ ان تمام کوششوں کے باوجود حکومت تعلیم کے میدان میں اپنے متوقع نتائج کو حاصل نہیں کر پائی ہے جس کی کئی وجوہات ہیں جیسے کہ اسکولوں میں اساتذہ کی کمی، ٹریننگ کے مواقع کی کمی، پانی، ٹوائلٹ، بجلی اور دوسرے بنیادی انفرااسٹرکچر کی عدم فراہمی شامل ہے۔ جیسا کہ ہمیں پتا ہے کہ سرکاری اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی بڑی تعداد دلت، قبائلی، پسماندہ طبقات اور اقلیتوں کے طلبا و طالبات کی ہے۔ بنیادی سہولتوں کی کمی کی وجہ سے طلبا و طالبات کی ایک بڑی تعداد اسکول چھوڑ دیتی ہے اگر کینڈریہ ودیالیہ اور نوودیہ ودیالیہ کی تعلیمی کارکردگی کا عام سرکاری اسکولوں سے موازنہ کیا جائے تو ان کی کارکردگی عام سرکاری اسکولوں سے کافی بہتر ہے۔ تجربہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ ان دونوں اسکولوں پر عام سرکاری اسکولوں سے کئی گنا زیادہ بجٹ خرچ کیا جاتا ہے کہ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ سرکاری اسکولوں کی کارکردگی بہتر ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ سکوتی سطح پر اسکیموں کے نفاذ میں کافی کمیاں ہیں، سرکاری اداروں کی خراب کارکردگی اور عوام میں انگلش میڈیم اسکولوں کی طرف بڑھتے ہوئے رجحان کی وجہ سے گزشتہ 20 سالوں میں بڑی تعداد میں پرائیویٹ اسکول کالج اور یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ اس عمل میں مذہبی، سماجی تنظیموں اور تجارت سے جڑا طبقہ شامل ہوا ہے۔

مرکزی اور ریاستی حکومتیں اسکولی اور اعلیٰ تعلیم کے میدان میں عوامی سرمایہ کاری کا مزید اضافہ کریں اور داخلوں میں مسلم بچوں اور بچیوں کو ان کی آبادی کے تناسب کے حساب سے جگہ دیں۔

تجزیہ

حکومت خرچ کر رہی ہے، اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں اور دوسرے طبقات کی تعلیمی پسماندگی کی اہم وجہ تعلیم پر سرکاری اخراجات کی کمی ہے۔ حکومت کو تمام سرکاری اسکولوں کے کینڈریہ ودیالیہ کی طرز پر چلانا چاہیے۔

اعلیٰ تعلیم، تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے میدان میں آزادی کے بعد مرکزی حکومت نے یونیورسٹی، آئی آئی ٹی، آئی آئی ایم اور دیگر اہم تعلیمی اداروں کو قائم کیا لیکن 2000 کے بعد اعلیٰ تعلیم کے میدان میں حکومت نے اپنے سرکاری اخراجات دھیرے دھیرے کم کردیے ہیں اور اس میدان میں ملکی اور غیر ملکی سرمایہ کاری کو فروغ دے رہی ہے جس کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم کافی مہنگی ہوگئی ہے اور غریب طبقات کی پہنچ سے باہر ہوتی جا رہی ہے۔ اقلیتوں کی تعلیم کے لیے مرکزی حکومت نے وزیر اعظم کی 15 نکاتی پروگرام اور ملٹی سیکٹورل پروگرام جیسی پالیسیوں کے ذریعہ بہت کوششیں کی ہیں، ان پروگراموں کے تحت مدرسہ جدید کاری اسکیم، اسکالرشپ پروگرام اور اقلیتی اکثریتی اضلاع، بلاک اور ٹاؤن میں اسکول، ہاسٹل، پالیٹکنک اور آئی ٹی آئی کی تعمیر کی گئی ہے لیکن نفاذ کے گزشتہ 17 سالوں کے دوران مسلم طلبا کی وجوہات کی بنا پر ان اسکیموں کا فائدہ نہیں اٹھا سکے ہیں مثلاً عوام میں ان اسکیموں کے بارے میں بیداری کی کمی ہے جس کی وجہ سے ان کی شرکت ان اسکیموں میں مناسب طریقے سے نہیں ہو سکی ہے۔ اس کے علاوہ سکوتی سطح پر اسکیموں کے نفاذ میں کافی کمیاں ہیں، سرکاری اداروں کی خراب کارکردگی اور عوام میں انگلش میڈیم اسکولوں کی طرف بڑھتے ہوئے رجحان کی وجہ سے گزشتہ 20 سالوں میں بڑی تعداد میں پرائیویٹ اسکول کالج اور یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ اس عمل میں مذہبی، سماجی تنظیموں اور تجارت سے جڑا طبقہ شامل ہوا ہے۔ عیسائی مشنریوں اور آر ایس ایس کے کارکنوں نے بہت پہلے ہی پرائیویٹ اسکول قائم کرنا شروع کردیے تھے جبکہ مسلم مذہبی اور سماجی تنظیموں نے اس کی شروعات کافی دیر سے کی ہے جو ابھی بہت سے مدارس مسلم تنظیموں کے ذریعہ چلائے جارہے تھے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی صورتحال کو اور بہتر بنانے کے لیے کیا جایا جائے جس سے کہ وہ بنیادی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک دوسرے سماج کی برابری کرسکیں۔ اس سلسلے میں سب سے اہم کام یہ ہے کہ ہمارے سیاسی وفی رہنما اور غیر سرکاری تنظیموں کو حکومت کے ساتھ اور پالیسی کرنا چاہیے کہ مرکزی اور ریاستی حکومتیں اسکولی اور اعلیٰ تعلیم کے میدان میں عوامی سرمایہ کاری کا مزید اضافہ کریں اور داخلوں میں مسلم بچوں اور بچیوں کو ان کی آبادی کے تناسب کے حساب سے جگہ دیں۔ جہاں تک پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو چلانے اور نئے تعلیمی اداروں کو کھولنے کا سوال ہے، اس میں بھی مسلمانوں کی مذہبی و رفاہی تنظیموں اور تاجر طبقہ کو آگے آنا چاہیے۔ مسلمانوں کے ذریعہ چلائے جارہے تعلیمی اداروں کے مشاہدے سے یہ پتا چلتا ہے کہ اگر مسلم اداروں کا موازنہ دوسری قوموں کے اداروں کے تعلیمی معیار سے کیا جائے تو زیادہ تر مسلم اداروں میں تعلیم کا معیار بہتر نہیں ہے۔ دیہی علاقوں میں معیار تعلیم کی صورتحال اور بھی خراب ہے، اس خراب معیار تعلیم کی وجہ اچھے اساتذہ کی عدم دستیابی اور ان کو بہتر ٹریننگ کے مواقع نہ فراہم کرنا ہے۔ خراب معیار تعلیم اور والدین کی غربت کی وجہ سے 25 فیصد سے زیادہ بچے اسکول چھوڑ دیتے ہیں اور اعلیٰ تعلیم کی طرف نہیں جاپاتے ہیں۔ اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ پرائیویٹ اسکولوں کے لیے اساتذہ کے لیے ٹریننگ کا اور ٹاسکلنگ مراکز کے قیام کے ذریعہ اسکولی تعلیم کے معیار کو بہتر بنایا جائے اور بچوں اور ان کے والدین کے لیے کاؤنسلنگ کے پروگرام منعقد کیے جائیں، وہیں اس بات پر زور دیا جائے کہ ہمارے غریب بچے اعلیٰ تعلیم کے ہمرہیدار میں شامل ہوں۔

(مضمون نگار اقتصادی امور کے تجزیہ نگار ہیں)

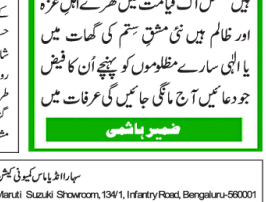

آئینہ

ہیں مسلسل اک قیامت میں گھرے اہلِ غزہ
اور ظالم ہیں نئی مشقِ ستم کی گھات میں
یا الٰہی سارے مظلوموں کو پہنچے اُن کا فیض
جو دعائیں آج مانگی جائیں گی عرفات میں

ضمیر ہاشمی

اندازِ حکمرانی کی بابت مشورہ

مکرمی!

اداریہ "اندازِ حکمرانی بدلنے کی ضرورت" سے متفق ہوتے ہوئے عرض ہے کہ نریندر مودی جی نے بہرصورت تیسری مرتبہ متواتر وزیر اعظم کے عہدے کے حلف لے تو لیا لیکن سوئے اتفاق، اس بار حکومت کی تشکیل میں بی جے پی کی حلیف جماعتوں کا بھی عمل دخل ہے کیونکہ اکیلے اپنے دم پر بی جے پی صرف 240 سیٹیں ہی حاصل کر پائی جبکہ مطلوبہ جادوئی نمبر 272 تھا۔ ساتھ ہم اندازِ بیان و خدشات کے برخلاف حکومت کے موقف میں کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آئی کیونکہ کابینہ میں اہم قلمدانوں کی تقسیم حسب سابق ہی رہی شاہ پارٹی کے سینئر لیڈران میں جناب راجناتھ سنگھ، جناب امت شاہ، محترمہ سیتا رمن اور جناب تین گڈکری کے پاس بالترتیب دفاع، داخلہ، خزانہ اور روڈ ٹرانسپورٹ قلمدان جوں کے توں رہے۔ آئندہ حلیف جماعتوں کی فرمائشیں کس طرح پوری ہوتی ہیں، یہ امر فی الوقت تشنہ انتظار ہے۔ مزید یہ کہ نہ ہی منی پور اور چھتیس گڑھ سے متعلق سرکار کے موقف میں کوئی تبدیلی دکھائی دیتی ہے۔ لہٰذا اداریہ کا یہ یک مشورہ غور طلب ہے کہ ملک عزیز میں امن و امان، استحکام اور سالمیت کی خاطر، وقت کا تقاضا ہے کہ وزیر اعظم اپنی فہرست پر نظر ثانی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے نظریہ ساز (Ideologue) شری موہن بھاگوت صاحب کے مطابق اپنے اندازِ حکمرانی میں بھی تبدیلی لائیں اور اپنی سیاسی سطوت اور وقتی مفاد سے اوپر اٹھ کر شرف زدہ علاقوں میں فروغ پا رہے تسلی امتیاز اور فرقہ وارانہ تشدد کی آگ کو بجھانے کے فوری اقدام کریں اور بھی ملک و عوام کے حق میں بہتر ہوگا۔

اظہر علی خاں - شرافت منزل، کوتوالان، امروہہ-1

قربانی کے گوشت کی تقسیم

مکرمی!

عیدالاضحیٰ کے تہوار کا اصل مقصد قربانی ہے۔ ہر مسلمان اپنی حیثیت کے مطابق عیدالاضحیٰ پر جانوروں کی قربانی کرتا ہے۔ ایک ایک خوبصورت، صحت مند جانور اللہ کی راہ میں قربان کیے جاتے ہیں۔ اللہ پاک تمام مسلمانوں کی قربانیوں کو قبول کرے اور دین کی راہ پر چلنے کی توفیق دے۔ قربانی کرکے گوشت فریج میں اسٹور کرنا مناسب نہیں ہے۔ عیدالاضحیٰ کے تین دن قربانی کے باوجود گوشت مستحقین و غرباء تک نہیں پہنچ پاتا ہے تو انتہائی غلط بات ہے۔ قربانی کے گوشت کو تقسیم کرنے کے جو احکام ہیں ان پر عمل ضروری ہے۔ ایسے کتنے لوگ ہیں جو دو وقت کی روٹی کھانے کے انتظام بڑی مشکل سے کر پاتے ہیں، پورا پورا سال گزر جاتا ہے تب انہیں گوشت کھانے ہوتے ہیں۔ اللہ پاک کا شکر ادا کیجیے کہ اس نے ہمیں اس لائق بنایا کہ ہم قربانی کرسکیں۔ ہم تو ہر سے سال گوشت کھاتے ہیں۔ قربانی کے گوشت کے اصل حق دار غریب مسکین ہی ہیں۔

ڈاکٹر ہنا کوثر - شاہین باغ، اوکھلا، نئی دہلی-25

صفائی پر خصوصی توجہ ضروری

مکرمی!

گندگی سے متعدد بیماریاں پھیلنے کا خطرہ لاحق رہتا ہے، اس کے باوجود آپ مسلم علاقوں میں چلے جایئے، جہاں آپ کو گندگی کا انبار دور سے ہی نظر آجائے گا۔ فلیٹ سسٹم ہونے کے بعد سے تو گندگی میں کچھ زیادہ ہی اضافہ ہوگیا ہے۔ اپنے گھروں میں جھاڑو لگانے کے بجائے اپنے فلیٹ کی کھڑکی کھولی اور کوڑے سے بھری تھیلی کو پھینک دی اور اس کام کے لیے سب سے مناسب وقت یا تو آدھی رات کے بعد کا ہوتا ہے یا پھر صبح فجر کی نماز کے وقت۔ حیرت ہوتی ہے جس قوم کے مذہب کی تعلیم میں صفائی کے ساتھ ساتھ اپنے آس پاس بھی صفائی اور پڑوسیوں کا خصوصی خیال رکھنے کا تاکید ہے، وہاں یہ نظارہ انتہائی افسوسناک ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ سب مسلم علاقوں میں ہی ہوتا ہے، لیکن مسلمانوں میں بھی ہوتا ہے۔ یہ بات غلط ہے۔ مسلمانوں کو اپنے مطابق طرز زندگی اور اسلام کی تعلیمات کا موازنہ کرنا ہوگا تو یقیناً ان کی زندگ